رسائل و مسائل

احادیثِ دجّال

سوال:۔ آپ نے تفہیمات حصہ اول صفحہ ۲۲۱ پر سورۂ نجم کی ابتدائی آیات مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ

(بقیہ اسلام اور ہمارا قانونی نظام)

كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ (المائدہ ۔ ۸۱)

عذاب میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں اور اگر ایمان لاتے ہوتے اللہ پر، نبی پر اور اس پر جو اتارا گیا ہے اس کی طرف، نہ پکڑتے انہیں دوست اور لیکن ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۔ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔

نہیں منع کرتا تمہیں اللہ اُن لوگوں سے کہ نہیں لڑے وہ تم سے دین کے بارے میں اور نہیں نکالا انہوں نے تمہیں اپنے گھروں سے کہ تم اُن سے حسن سلوک کرو اور عدل کرو۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ منع تو کرتا ہے اللہ تمہیں ان لوگوں سے جنہوں نے جنگ کی ہے تم سے دین کے معاملے میں اور نکالا ہے تمہیں تمہارے گھروں سے اور مدد کی ہے تمہارے اخراج پر، کہ تم اُن سے دوستی جوڑو اور جو انہیں رفیق بنائے وہی لوگ ظالم ہیں۔

اِن نصوصِ صریحہ کے باوجود اور ان احکامِ قطعیہ کے علی الرغم ہمارے حکام اور زعماء انگریزوں، فرانسیسیوں اور امریکیوں، روسیوں اور دوسرے اعدائے اسلام سے دوستی کا دم بھرتے ہیں اور ان سے محبت کی پینگیں بڑھاتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ مسلمانوں سے لڑتے ہیں، بلادِ اسلامیہ پر بجبر مسلط ہیں اور ان پر انواع و اقسام کے مظالم ڈھا رہے ہیں۔ ہمارے حکمران ان لوگوں کی خوشامد میں عزوجاہ کی تلاش کرتے ہیں حالانکہ ان لوگوں کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔

وَمَا غَوٰی۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی۔ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:-

"ان آیات میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کی بنا پر نطقِ رسول کو صرف قرآن کے ساتھ مخصوص کیا جاسکتا ہو۔ ہر وہ بات جس پر نطقِ رسول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے آیاتِ مذکورہ کی بنا پر وحی ہوگی"

پھر رسائل ومسائل صفحہ ۵۵ پر دجال کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے :-

"دجال کے متعلق جتنی احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان کے مضمون پر مجموعی نظر ڈالنے سے یہ بات صاف واضح ہوجاتی ہے کہ حضور کو اللہ کی طرف سے اس معاملہ میں جو علم ملا تھا وہ صرف اس حد تک تھا کہ ایک بڑا دجال ظاہر ہونے والا ہے اور اس کی یہ اور یہ صفات ہونگی اور وہ ان ان خصوصیات کا حامل ہوگا۔ لیکن یہ آپ کو نہیں بتایا گیا کہ وہ کب ظاہر ہوگا کہاں ظاہر ہوگا اور یہ کہ آیا وہ آپ کے عہد میں پیدا ہوچکا ہے یا آپ کے بعد کسی بعید زمانہ میں پیدا ہونے والا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظہورِ دجال اور صفات وخصوصیاتِ دجال کے متعلق حضور کے جو ارشادات ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ کیونکہ وہ علم وحی پر مبنی ہیں۔ بخلاف اس کے ظہورِ دجال کے زمانہ ومقام کے بارے میں روایات باہم متعارض ہیں جن میں تطبیق کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ علم وحی پر مبنی نہیں ہیں"

اسی سلسلے میں آگے چل کر آپ فرماتے ہیں۔

"یہ تردد اول تو خود ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں آپ نے علم وحی کی بنا پر نہیں فرمائی تھیں بلکہ اپنے گمان کی بنا پر فرمائی تھیں"

آپ کی مندرجہ بالا تحریروں سے صاف واضح ہے کہ یہ باہم متناقض ہیں۔ پہلی تحریر میں تو آپ نے فرمایا ہے کہ ہر وہ بات جس پر نطقِ رسول کا اطلاق کیا جاسکتا ہے علمِ وحی پر مبنی ہوگی۔ لیکن دوسری تحریر میں آپ بتاتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض ارشادات ایسے بھی ہیں جو علم وحی پر مبنی نہیں ہیں۔ مثلاً ظہورِ دجال کے زمانہ ومقام کے بارے میں آپ کے ارشادات چنانچہ

ان ارشادات پر نطقِ رسول کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

نیز مندرجۂ ذیل سوالات بھی جواب طلب ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن ارشادات کی تائید قرآن میں موجود نہیں ان کے بارے میں یہ فیصلہ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ وہ علم وحی پر مبنی ہیں یا نہیں۔ اگر آپ کا یہ جواب ہو جیسا کہ آپ کی مندرجۂ بالا تحریر سے ظاہر ہے کہ جو ارشاداتِ نبوی باہم متعارض نہیں ہیں وہ مبنی بر علم وحی ہیں اور جو باہم متعارض ہیں وہ مبنی بر علم وحی نہیں ہیں تو پھر سوال یہ ہے کہ کتب احادیث میں ایسی کئی متعارض احادیث ہیں جن کے بارے میں ائمہ امت کا عقیدہ ہے کہ وہ علم وحی پر مبنی ہیں اور جن سے انہوں نے مسائل کا استنباط بھی کیا ہے۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا فیصلہ ہے؟

(۲) آپ کا یہ قول کہ "آپ (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کا گمان وہ چیز نہیں جس کے صحیح نہ ثابت ہونے سے آپ کی نبوت پر حرف آتا ہو" میرے نزدیک قابل قبول نہیں۔ کیونکہ غلط گمانوں میں الجھنا ایک فلسفی کا کام تو ہو سکتا ہے لیکن نبی کا منصب اس سے بدرجہا اعلیٰ، بلند اور پاک ہے۔ اگر ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فلاں گمان غلط تھا تو گویا ہم نے مان لیا کہ آپ فلاں موقع پر ہدایت خداوندی حاصل نہ کر کے گمراہ ہو گئے۔ اور لہٰذا آپ صلعم آیت ماضل صاحبکم وما غوی کے صحیح مصداق نہیں تھے۔

ازراہِ کرم ان سوالات کا جواب ترجمان القرآن میں شائع کر دیں تاکہ قارئین بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

جواب :- میں نے آیت وما ینطق عن الھویٰ کا جو مفہوم تفہیمات حصہ اول میں بیان کیا ہے اس کی پوری تفصیل آپ نے دیکھنے کی زحمت نہیں اٹھائی اور صرف ایک فقرے پر اکتفا فرما لیا۔ اسی وجہ سے آپ کو اُس میں اور میری بعد کی ایک تحریر میں تناقض محسوس ہوا۔ براہ کرم اسی کتاب کے صفحات ۸۵ تا ۸۹ - ۲۲۰ تا ۲۲۲ - ۲۳۸ تا ۲۴۰ - ۲۴۴ - اور ۲۵۸ تا ۲۵۹ بغور ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کے سامنے میرا پورا مدعا آ جائیگا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میرے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال و افعال

میں وحی خفی کی کارفرمائی کس معنی میں تھی اور یہ بھی کہ حضور کی بعض باتوں کے وحی پر مبنی ہونے اور بعض کے نہ ہونے کا مطلب کیا ہے۔

اس کے بعد ضرورت تو نہیں رہتی کہ آپ کے اُن سوالات کا جواب دیا جائے جو آپ نے آخر میں کیے ہیں، لیکن میں صرف اس لیے ان کا جواب حاضر کیے دیتا ہوں کہ پھر کوئی اُلجھن باقی نہ رہ جائے۔

(۱) مَیں نے اپنی تحریر میں یہ کہیں نہیں کہا کہ ارشاداتِ نبوی کے مبنی بر وحی ہونے یا نہ ہونے کے لیے تعارض کا عدم اور وجود کوئی واحد یا حتمی قرینہ ہے، اور نہ میری تحریر کا منشا یہ ہے کہ جن اقوالِ مبارکہ میں کسی طرح کا تعارض یا اختلاف نظر آئے مَیں اُن کے مبنی بر وحی ہونے کا انکار کرتا ہوں۔ بعض اوقات ایسے ارشادات میں بھی بظاہر اختلاف نظر آتا ہے جن کا دیگر قرائن کی بنا پر مبنی بر وحی ہونا واضح ہوتا ہے مگر ایسی صورت میں اختلاف کو تاویل و تطبیق سے بآسانی رفع کیا جا سکتا ہے یا ان میں سے ایک کا ناسخ اور دوسرے کا منسوخ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعض روایات میں تعارض کا وجود مطلقاً نہ ہو مگر دوسرے قرائن ان کا علیٰ سبیل الرائے ہونا بالکل واضح کر دیں۔ مَیں نے جو بات کہی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ مبنی بر وحی ارشادات ناقابلِ توجیہ تعارض سے پاک ہوتے ہیں اور جو ارشادات وحی پر مبنی نہیں ہوتے اُن میں منجملہ دیگر قرائن کے بعض اوقات ایک قرینہ تعارض کا بھی پایا جاتا ہے۔

(۲) یہ امر کہ حضور کی کون سی بات ظن یا ذاتی رائے پر مبنی ہے اور کونسی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم پر، اس کا اظہار بسا اوقات حضور کی اپنی تصریحات سے ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات دوسرے قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً یہی احادیث جو دجّال کے متعلق وارد ہوئی ہیں، ان میں یہ بات حضور کی اپنی ہی تصریحات سے معلوم ہوتی ہے کہ آپ کو اُس کے مقام، زمانے اور شخصیت کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم نہیں دیا گیا تھا۔ ابن صیاد کے متعلق آپ کو اتنا قوی شبہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے آپ کی موجودگی میں قسم کھا کر اسے دجّال قرار دیا اور آپ نے اس کی تردید نہ کی، مگر جب انہوں نے اس کے قتل کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا ان یکنہ فلن تسلّط علیہ وان لم یکنہ فلا خیر لك فی قتلہ "اگر یہ وہی ہے تو تم اس پر قابو نہ پا سکو گے اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اس کے قتل میں تمہارے لیے کوئی بھلائی نہیں" (مسلم۔ ذکر ابن صیاد)۔ ایک اور حدیث میں حضورؐ نے

دجّال کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ان یخرج وانا فیکم فانا حجیجہ دونکم وان یخرج ولست فیکم فامرؤ حجیج نفسہ واللہ خلیفتی علی کل مسلمؒ اگر وہ میری موجودگی میں نکلے تو تمہاری طرف سے میں اس کا مقابلہ کرونگا، اور اگر وہ ایسے زمانے میں نکلے جب میں تمہارے درمیان موجود نہ ہوں تو ہر آدمی اپنی طرف سے خود ہی اس کا مقابلہ کرے اور اللہ میرے پیچھے ہر مسلم کا نگہبان ہے" (مسلم، ذکر الدجال) تمیم داری نے اپنے ایک بحری سفر میں دجّال سے اپنی ملاقات کا قصہ جب آپ کو سنایا تو اس کی بھی آپ نے تصدیق یا تکذیب نہیں فرمائی بلکہ یہ فرمایا کہ اعجبنی حدیث تمیم انہ وافق الذی کنت احدثکم عنہ "مجھے تمیم کا بیان پسند آیا، وہ موافقت رکھتا ہے اس بات سے جو میں دجال کے متعلق تم سے بیان کیا کرتا تھا" پھر آپ نے اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے فرمایا الا انہ فی بحر الشام او بحر الیمن، لا بل من قبل المشرق "مگر وہ بحر شام یا بحر یمن میں ہے۔ نہیں بلکہ وہ مشرق کی جانب ہے" (مسلم، قصۃ الجساسہ)۔ یہ سب روایات اپنا مفہوم خود واضح کر رہی ہیں۔

(۳) دوسرے سوال میں آپ نے ایک بڑی سخت بات کہی ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ ایسی بات کہنے سے پہلے کتاب وسنت سے اس کی تحقیق کر لیتے۔ قرآن مجید حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق کہتا ہے وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ "اور مچھلی والا جب کہ وہ غصّے میں آکر چلا گیا اور اس نے گمان کیا کہ ہم اسے تنگ نہ پکڑیں گے" (الانبیاء۔ رکوع ۶)۔ یہاں ایک نبی کے لیے اللہ تعالیٰ خود ظن کا لفظ استعمال کر رہا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی نے قرآن مجید میں بتا دیا ہے کہ ان کا یہ ظن صحیح نہ تھا۔ صحیح مسلم میں کتاب الفضائل کے تحت ایک مستقل باب ہے جس کا عنوان ہے باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا دون ما ذکرہ صلی اللہ علیہ وسلم من معایش الدنیا علی سبیل الرای "باب اس امر کے بیان میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعی طریقہ پر جو کچھ فرمایا ہو اس کا امتثال واجب ہے نہ کہ اس بات کا جسے آپ نے دنیوی معاملات میں اپنی رائے کے طور پر بیان کیا ہو" اس باب میں امام موصوف ...حضرت طلحہ، حضرت رافع بن خدیج، حضرت عائشہ اور حضرت انس کے حوالہ سے یہ قصہ نقل کرتے ہیں کہ جب حضور مدینے تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ اہل مدینہ مادہ کھجوروں پر نر کھجور کا پیوند لگاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا

ما اظن یغنی ذالک شیئاً" میں نہیں سمجھتا کہ اس کا کوئی فائدہ ہے"؛ لعلکم لولم تفعلوا کان خیراً" اگر تم ایسا نہ کرو تو شاید اچھا ہو" لوگوں سے سنا تو ایسا کرنا چھوڑ دیا۔ مگر اس سال پھل اچھا نہ آیا اس پر آپ نے فرمایا ان کان ینفعکم ذالک فلیصنعوہ فانی انما ظننت ظناً فلا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئاً فخذوا بہ: فانی لم اکذب علی اللہ" اگر لوگوں کو یہ کام نفع دیتا ہے تو وہ ضرور اسے کریں۔ میں نے تو ظن کی بنا پر ایک بات کہی تھی تم ظن پر مجھ سے مواخذہ نہ کرو۔ البتہ جب میں اللہ کی طرف سے کوئی بات تم سے کہوں تو اسے لو کیونکہ میں اللہ پر کبھی جھوٹ نہیں بولا ہوں" یہ اللہ کے رسول کی اپنی تصریح ہے، اور اوپر اللہ تعالیٰ کی تصریح بھی آپ دیکھ چکے ہیں۔ اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ آپ کا نظریہ صحیح ہے یا اللہ اور اس کے رسول کا بیان؟

طلاق قبل از نکاح

سوال:۔ میرے ایک غیر شادی شدہ دوست نے کسی وقتی جذبے کے تحت ایک مرتبہ یہ کہہ دیا تھا کہ "اگر میں کسی عورت سے بھی شادی کروں تو اس پر تین طلاق ہے" اب وہ اپنے اس قول پر سخت نادم ہے اور چاہتا ہے کہ شادی کرے۔ علماء یہ کہتے ہیں کہ جونہی وہ شادی کرے گا عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی، اس لیے عمر بھر اب شادی کی کوشش کرنا اس کے لیے ایک بیکار اور عبث فعل ہے۔ براہ کرم بتائیں کہ اس مصیبت خیز الجھن سے نکلنے کا کوئی رستہ ہے یا نہیں۔

جواب۔ بلاشبہ فقہائے حنفیہ کی رائے یہی ہے کہ ایسی صورت میں جس عورت سے اس کا نکاح ہو گا اس پر طلاق وارد ہو جائے گی۔ لیکن تمام ائمہ و فقہاء کا اس بارے میں اتفاق نہیں ہے۔ امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل کی رائے یہ ہے کہ طلاق کا حق نکاح کے بعد پیدا ہوتا ہے نہ کہ نکاح سے پہلے۔ اگر کسی شخص نے یہ کہا ہو کہ وہ آئندہ جس عورت سے بھی نکاح کرے اس کو طلاق ہے تو یہ ایک لغو اور غیر مؤثر بات ہے۔ اس سے کوئی قانونی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ یہی رائے حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبل، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ سے بھی منقول ہے۔ اور اس رائے کی تائید اس

حدیث سے ہوتی ہے کہ لا طلاق الا من بعد نکاح (طلاق نہیں ہے مگر نکاح کے بعد)۔ امام مالک کی رائے یہ ہے کہ اگر کسی خاص عورت، یا خاص قبیلے، یا خاندان کی عورتوں کے بارے میں کوئی شخص ایسی بات کہے تب تو طلاق لازم آجائے گی لیکن مطلقاً تمام عورتوں کے بارے میں یہ بات کہی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ پہلی صورت میں تو یہ امکان باقی رہتا ہے کہ مرد اُس عورت یا اُس قبیلے کی عورت کے سوا دوسری عورتوں سے نکاح کر سکے، لیکن دوسری صورت میں ترکِ سنت کی قباحت لازم آتی ہے، اور یہ ایک حلال چیز کو اپنے اوپر مطلقاً حرام کر لینے کا ہم معنی ہے۔

مجھے ان مختلف اقوال میں سے امام شافعی اور امام احمد کا قول دلائل کے لحاظ سے قوی اور قابلِ ترجیح معلوم ہوتا ہے۔ اگر علماء اس کے مطابق فتوے میں تبدیلی فرما دیں تو مناسب ہو۔

اللہ کے حقوق اور والدین کے حقوق

سوال:- میں ایک سخت کشمکش میں مبتلا ہوں اور آپ کی رہنمائی کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ میں جماعت کا ہمہ وقتی کارکن ہوں اور اس وجہ سے گھر سے دور رہنے پر مجبور ہوں۔ والدین کا شدید اصرار ہے کہ میں اُن کے پاس رہ کر تجارتی کاروبار شروع کروں۔ وہ مجھے بار بار خطوط لکھتے رہتے ہیں کہ تم والدین کے حقوق کو نظر انداز کر رہے ہو۔ میں اس بارے میں ہمیشہ مشوش رہتا ہوں۔ ایک طرف مجھے والدین کے حقوق کا بہت احساس ہے، دوسری طرف میں محسوس کرتا ہوں کہ اقامتِ دین کی جدوجہد کے لیے میرا جماعت کا کارکن بن کر رہنا ضروری ہے۔ آپ اس معاملے میں مجھے صحیح مشورہ دیں تاکہ میں افراط و تفریط سے بچ سکوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ خیالات کے اختلاف کی وجہ سے گھر میں میری زندگی سخت تکلیف کی ہوگی لیکن شرعاً اگر ان کا مطالبہ واجب التعمیل ہے تو پھر بہتر ہے کہ میں اس تکلیف کو خوشی سے برداشت کروں۔ میرے والد صاحب میری ہر بات کو مورد اعتراض بنا لیتے ہیں اور میری طرف سے اگر بہت ہی نرمی کے ساتھ جواب عرض کیا جائے تو اسے بھی سننا گوارا نہیں فرماتے۔

جواب:- والدین کی اطاعت اور دین کی خدمت کے درمیان توازن کا مسئلہ بالعموم ان سب نوجوانوں

کے لیے وجہِ پریشانی بنا رہتا ہے جن کے والدین جماعتِ اسلامی اور اس کے مقصد سے ہمدردی نہیں رکھتے ہیں نے عموماً یہ دیکھا ہے کہ ایک بیٹا اگر سرکاری ملازمت میں ہو یا کسی اچھے کاروبار میں لگا ہوا ہو تو والدین اس کے ہزاروں میل دور رہنے کو بھی برداشت کر لیتے ہیں اور اس سے کبھی نہیں کہتے کہ تو ملازمت یا روزگار چھوڑ دے اور آکر ہماری خدمت کر۔ بیٹے کے علاوہ اگر فاسقانہ بھی ہوں تو اعتراض کی زبان کھولنے کی ضرورت انہیں بالعموم محسوس نہیں ہوتی لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اپنے سارے حقوق انہیں صرف اسی وقت یاد آ جاتے ہیں جب کوئی بیٹا اپنے آپ کو دین کی خدمت کے لیے وقف کر دیتا ہے، حتیٰ کہ اگر جماعت اسے معقول معاوضہ دے تب بھی وہ یہی ضد کرتے ہیں کہ بیٹا گھر میں بیٹھ کر ان کے "حقوق" ادا کرے۔ بلکہ حقوق ادا کرنے پر بھی ان کا دل ٹھنڈا نہیں ہوتا، اس کی ہر بات انہیں کھٹکتی ہے اور اس کی کسی خدمت سے بھی وہ خوش نہیں ہوتے۔ یہ صورتِ حال میں ایک مدت سے دیکھ رہا ہوں اور جماعت کے بکثرت نوجوانوں کو اس صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا ہے اور کرنا پڑ رہا ہے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے ہاں فی الواقع کیا صورتِ حال ہے۔ اگر وہی کچھ ہے جو آپ کے بیان سے سمجھ میں آ رہی ہے تو یہ آپ کے والدین کی زیادتی ہے۔ آپ جہاں کام کر رہے ہیں وہیں کرتے رہیں، جو کچھ مالی خدمت آپ کے بس میں ہو وہ بھی کرتے رہیں بلکہ اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر اپنی مقدرت سے کچھ زیادہ ہی بھیجتے رہیں اور حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً ان کے پاس ہو آیا کریں۔ لیکن اگر صورتِ حال اس سے مختلف ہو اور فی الواقع آپ کے والدین اس بات کے محتاج ہوں کہ آپ کے لیے ان کے پاس رہ کر ہی خدمت کرنا ضروری ہو تو پھر مناسب یہی ہے کہ آپ ان کی بات مان لیں۔